کے باعث مدافعت کے قابل نہیں رہتی۔

یہ بھی عجیب رابطہ تھا۔مردار کو گدھ ہڈیوں تک شفاف کر چکا تھا لیکن وہ اپنی بے عزتی کا نظارہ کرنے کے لیے موجود ہی نہ تھی وہ تو اس وقت کہیں اور تھی کسی اور کے ساتھ تھی یہ بھی اپنی نوعیت کا رابطہ تھا ادھر سے کوئی مدافعت نہ تھی سو مناتھ کا مندر کھلا پڑا تھا۔صرف اردگرد ایک بھی پجاری نہ تھا سیمی قسم کی کوئی روح کوسوں میل تک موجود نہ تھی۔

جس وقت ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔ہم مکمل طور پر کھ کھلے تھے۔ میں جانتا تھا کہ سیمی کبھی میری نہ ہو سکے گی۔وہ غالبا سمجھتی تھی کہ اپنے ساتھ میری لعنت لگا کر اس نے آفتاب سے بدلہ لے لیا ہے شاید وہ اپنے آپ کو ذلیل کر کے ہی اپنی ذات کو کچھ دیر کے لیے بچا سکتی تھی۔

رات کے پچھلے پہر کا چاند چیڑھ کے درختوں میں قرص بن ٹنگا ہوا تھا

''چلیں؟۔۔۔۔''سیمی نے بالآخر پوچھا۔

''کہاں۔۔۔۔؟''

''ڈرو نہیں میں وائی ڈبلیو سی اے جاؤں گی۔''

''میں نہیں ڈرتا کسی چیز سے۔''

''اگر میں تمہارے گھر جانا چاہوں تو۔۔۔۔''

''تو چلو ناں۔۔۔۔''میں نے اس کا بازو گھسیٹ کر کہا۔

''نہیں قیوم میرا کوئی گھر نہیں ہے مجھے وائی ڈبلیو سی اے تک پہنچا دو۔وہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے۔''

''اتنی رات گئے۔''

''وہ جانتی ہے میں پاگل ہوں Assignment لکھتے وقت تو مجھے معلوم نہیں تھا لیکن آج پروفیسر سہیل کو بتا سکتی ہوں دیوانے پن کی اصلی وجہ۔''

جس وقت ہم ٹک شاپ کے پچھواڑے پہنچے تو سیمی نے میرے بازو کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔

''قیوم۔''

''ہاں۔''

''موٹر سائیکل مت چلانا باغ میں۔ مال پر جا کر سٹارٹ کرنا۔''

''کیوں۔''

''اس وقت ہمیں کسی سپاہی نے دیکھ لیا تو تھانے لے جائے گا۔ مجھے اپنی تو فکر نہیں ہے کوئی مجھے تھانے لے جائے کہ جہنم لے جائے لیکن تمہارا رزلٹ نکلنے والا ہے۔ پھر تمہیں نوکری چاہیے ہوگی۔''

''مجھے پروا نہیں۔''

''ہونی چاہیئے ناں پروا۔ سپاہی نازیبا حرکتیں کرنے والوں کو تھانے لے جاتے ہیں گندے بچے۔ نقص امن ہے یہ بھی۔''

''وہ ہلکا سا مسکرائی۔ پہلی بار۔''

میں نے محسوس کیا یہ مسکراہٹ دکھ میں ڈوبی ہوئی تھی میری محبت نے میری جسمانی وارفتگی نے اس کے وجود کو ذرا سا بھی ڈرائی کلین نہیں کیا تھا۔

وائی ڈبلیو سی اے سے میں باہر نکلا تو شہر پوری طرح سویا ہوا تھا۔۔۔ سینٹ انتھونی کے گرجے کی سیاہی مائل عمارت کے پیچھے چاند میری موٹر سائیکل کی رفتار کے ساتھ ساتھ سفید روسی کتے کی طرح بھاگتا چلا آرہا تھا۔

دن کے وقت مال کی شکل کچھ اور ہوتی ہے لیکن اس وقت عمارتیں بہت گرانڈیل سڑکیں کشادہ اور بتیاں بہت زیادہ روشن تھیں اکا دکا کاریں آجا رہی تھیں۔ پر ان کے رنگ اور رفتار کچھ اجنبی سے نظر پڑتے رہے۔۔۔ پوسٹ آفس کی گلابی عمارت

سے لیکر کرشن نگر کے آخری بس سٹاپ تک سارا دن قریباً ٹل نک رہتا ہے لیکن رات گئے یہاں صرف بتیاں پلکیں کھولے کھڑی تھیں اور کسی کسی راہ گیر کو حیرانی سے تک رہی تھیں جس وقت میں کرشن نگر سے نکل کر بوچڑ خانے کے پہلو میں بائیں ہاتھ کو مڑا تو مجھے دودھ کو بلوٹے لادے ہوئے ایک گوجر کے ریڑھے نے کراس کیا۔ ابھی صبح کاذب بھی نہیں ہوئی تھی لیکن میں نے اندازہ لگایا کہ شہر کے بیدار ہونے میں اب تھوڑی ہی دیر ہے۔

ساری رات یمی کے ساتھ کافور کے درخت تلے گزارنے کے بعد مجھے اپنا کمرہ، پرانی زندگی، رات سب کچھ غیر مرئی لگ رہا تھا جب آدمی کافی دیر تک جاگتا رہے اور نیند کو غالب نہ ہونے دے تو اس کے اعضا سست پڑ کر یا تو بہت ہلکے ہو جاتے ہیں اور یا بہت بھاری محسوس ہونے لگتے ہیں اس کے سر سے کچھ بوجھ سا اتر جاتا ہے۔۔۔ حقیقتوں کا بوجھ اور وہ جاگتے میں خواب تو نہیں دیکھتا لیکن اس کی نقل و حرکت کچھ Slow motion جیسی ہو جاتی ہے۔

مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں شہ نشین پر بیٹھا بیٹھا اونگھ گیا ہوں لیکن آنکھ کھلی تو سامنے مختار بھائی کھڑے تھے ان کے سر پر پورا سورج چمک رہا تھا اور وہ تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

''یار ساری رات یہاں ہی بیٹھے رہے ہو؟۔۔۔۔'' انہوں نے اپنی عینک کے ڈبل شیشے صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی نہیں میں تو بہت صبح یہاں آ کر بیٹھا تھا۔''

''موٹر سائیکل کہاں ہے۔''

''نیچے گلی میں۔''

میں عموماً جب کبھی ان کی موٹر سائیکل مستعار لیتا تو اسے آنگین کی اس بغلی گلی میں کھڑا کر دیتا۔۔۔ جس میں میرے کمرے کی اوپر آنے والی سیڑھیاں کھلتی تھیں۔

''اچھا۔۔۔تم پاس ہو گئے ہو۔۔۔رزلٹ آ گیا ہے۔۔۔اخبار میں۔۔۔۔
''۔

سیمی کے عشق میں فیل ہو کر مجھے پاس ہونے کی خبر عجیب سی لگی۔

''نیچے اپنی بھابھی سے اخبار لے لینا۔۔۔۔۔مبارک ہو۔''

بھائی مختر رومال سے منہ پونچھتے ہوئے بیرونی سیڑھیوں سے باہر اتر گئے۔

جب رات میں گھر داخل ہوا تو مجھے پورا یقین تھا کہ اب میں سیمی سے کبھی نہیں ملوں گا۔۔۔اس کے بہت قریب رہ کر مجھے علم ہو گیا تھا کہ اس کے دل میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔۔۔لیکن ہمیشہ کی طرح سارا دن میں رزلٹ کے بجائے اسی کے خیالوں میں الجھتا رہا۔۔۔رہ رہ کر اس کی باتیں، بیٹھنے کا طریقہ اس کے بے طور بہنے والے آنسو، آفتاب سے اس کی بے ساختہ اور وارفتہ محبت میرا محاصرہ کرتی رہی۔

جس وقت دھوپ ڈھلے میں وائی ڈبلیو سی اے کے سامنے پہنچا تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں سیمی سے ملنے جا رہا ہوں زیادہ سے زیادہ میرا یہ ارادہ تھا کہ اپنی ایک ہم جماعت کو سوشیالوجی کا رزلٹ سنا دوں گا۔وہ بغیر پھاٹک والے بڑے ستون کے پاس کھڑی تھی میں نے مختار بھائی کا ہونڈا اس کے پاس روک۔۔۔یوں لگتا تھا کہ ساری رات جاگنے کے بعد وہ دن بھر بھی نہیں ہوئی۔

''آ گئے۔۔۔۔مجھے معلوم تھا کہ تم آؤ گے۔''

''کیسے؟''

''مریض کو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر آئے گا۔''

''تم کو اتنا کچھ کیسے معلوم ہوتا ہے سیمی۔''

اس نے آج اپنے ابرو Pluck نہیں کیے تھے اور چھوٹے چھوٹے نئے بال

چیونٹیوں کی شکل میں دکھائی دے رہے تھے۔

''ہوتا ہے معلوم۔۔۔۔تعلق ہوتو سب کچھ پتہ لگ سکتا ہے۔۔۔رزلٹ نکل آیا؟''

''ہاں۔۔۔۔تم نے اخبار دیکھا۔''

''نہیں۔۔۔۔لڑکیاں کہہ رہی تھیں کہ رزلٹ نکل آیا ہے سوشیالوجی کا۔۔۔۔میں اخبار دیکھ کر کیا کرتی۔''

''میں پس ہوگیا ہوں۔''

''اچھا؟۔۔۔۔مبارک۔''

صبح بھائی مختار نے دن چڑھے بھابھی صولت نے اور اب میمی نے ایک سے لہجے میں مبارک دی تھی۔

ان تینوں کا تعلق ایک جیسا تھا۔

''کون سی ڈویژن؟''

''سیکنڈ۔''

''اچھا ہے۔۔۔۔میں اور آفتاب تو یہ بھی حاصل نہ کر سکے۔''

وہ چپ کھڑی تھی۔

آج پھر اس نے جینز پر سفید وائل کا کرتی پہن رکھا تھا۔۔۔لیس کی باڈس صاف نظر آرہی تھی۔۔۔۔کٹے ہوئے بال اس نے تجاہل کے ساتھ ربر بینڈ سے باندھ رکھے تھے کندھے سے لٹکا ہوا کینوس کا تھیلا اس کے گھٹنوں تک تھا۔اور وہ اس وقت تھوڑی سی فقیری تھوڑی سی پپی تھوڑی سی فرانسیسی لڑکی نظر آرہی تھی۔

''چلیں؟۔۔۔۔''میں نے سوال کیا۔

''چلو۔''

''کہاں؟''

''کسی ہوٹل میں۔''

''میری ابھی نوکری نہیں لگی۔۔۔۔میں زیادہ پیسے نہیں خرچ سکتا۔''

''میری تنخواہ جو ہے۔۔۔بل میں ادا کروں گی۔۔۔۔۔''اس نے کینوس کے تھیلے پر ہاتھ رکھ کر کہا

''پھر کسی روز سہی''

''تو پھر آج کہاں چلیں۔''اس نے پوچھا۔

''وہیں؟۔''

''وہیں کہاں؟۔۔۔۔۔''جیسے وہ رات کو، کافور کے درخت کو اور باقی سب کچھ یکسر بھول چکی تھی۔

اب ہمارا معمول ہو گیا کہ ہم دونوں شام گئے جناح باغ چلے جاتے۔اس خطے میں جہاں جنات کا پہرہ تھا اور روحیں آدھی رات کو لالٹین لے کر پھرتی تھیں۔یہاں بیٹھ کر ہم آدھی آدھی رات تک پچھلی باتیں کرتے رہے۔سیمی میرے متعلق کچھ جاننا نہیں چاہتی تھی اس لیے میرے تمام دروازے بند رہتے۔صرف وہ بولتی رہتی۔۔۔ ۔اپنی محرومی کی تمام باتیں ایک ایک کر کے مجھے بتاتی رہتی۔اپنے بچپن کے واقعات، آفتاب سے ملاقاتیں، آفتاب کے ساتھ گزرے ہوئے لمحے۔۔۔۔ باتیں وہی تھیں لیکن وہ تاپ کے پتے کچھ اس طرح پھینکتی کہ ہر بار ہم دونوں کے ہاتھوں میں نئے پتے آجاتے۔۔۔۔میرے پاس اور کوئی چاری نہ تھا کہ میں ان ہی باتوں کی سیڑھی لگا کر اس تک پہنچوں جب میں اس کے بہت قریب ہو جاتا اور اس کی آستین کو رول کرنے لگتا تو وہ ہمیشہ آنکھیں بند کر لیتی۔۔۔۔اس کے بعد وہ آفتاب کی آغوش میں ہوتی۔

جسمانی تعلق کے عین تین سیکنڈ بعد وہ ہمیشہ آفتاب کا نام لے کر اٹھ بیٹھتی یہ نام

میری کنپٹی میں گولی کی طرح لگتا۔

''آفتاب تمہارا دوست تھا؟۔۔۔۔۔''ایک رات اس نے مجھ سے سوال کیا۔

''بہت۔۔۔۔''میں اپنے خیالوں میں گم ہوگیا۔

میں اس وقت سیمی کو بتانا چاہتا تھا کہ مجھ جیسوں کا یہاں۔۔۔۔وہاں کوئی دوست نہیں ہے ہماری کوئی محبوبہ نہیں ہوتی۔ہم صرف لوگوں سے ملتے رہتے ہیں جیسے پائے کھانے والے آفتاب کی محبت میں کیسے مبتلا ہوگئی۔بھنڈی کے پھولوں جیسے زرد رنگ کی آڈری ہیپر برن نے خدا جانے بھاری بھرکم شلوار قمیض پہننے والے پنجابی سی اونچی اونچی باتیں کرنے والے آفتاب کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کیوں اختیار کیا؟

شاید آفتاب کی ساری کشش اس بات میں تھی کہ خدا نے اسے سرکش بنایا تھا نہ سرشار۔۔۔۔وہ اونچے شملے والوں میں پیدا ہوا تھا لیکن گھنائے ہوئے لوگوں سے اسے کوئی نفرت نہ تھی۔وہ کنول کے پھول کی طرح پانی اریکچڑ دونوں سے بنا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ ہر ماحول میں ہر انسان کے ساتھ بڑی جلدی ہم آہنگی اختیار کرلیتا۔

ایک روز وہ اپنا صابن تولیہ اور برش لے کر کمرے سے رخصت ہوا۔لیکن چند لمحے بعد ہی واپس آگیا میں اس وقت اٹھنے کی سوچ رہا تھا۔

''یار قیوم۔۔۔۔ٹیوب ہوگی۔۔۔۔ٹوتھ پیسٹ۔''

میں نے الماری میں رکھی ٹیوب کی طرف اشارہ کیا اس نے ٹیوب سے لمبا سا سفید گل نکالا اور احتیاط سے اپنے برش پر جمالیا۔کندھے پر تولیہ رکھے اس وقت وہ مجھے خدا خبر کیوں کسی پنجابی فلم کا ہیرو لگ رہا تھا میرا خیال تھا کہ اب وہ اتنی تیزی سے ہی لوٹ جائے گا جتنی جلدی وہ آیا تھا لیکن وہ دہلیز کے ساتھ کندھے جوڑ کر کھڑا ہوگیا۔۔۔۔کشمیری آدمی پتہ نہیں کیوں صبح سویرے ڈھیلا ہوتا ہے۔

''یار یہ ہماری چوکھٹ کو دیمک لگ گئی ہے۔۔۔۔یہ دیکھو۔''

میں نے پلٹ کر چوکھٹ کی طرف دیکھا

''رپورٹ کرن ء چاہئیے وارڈن صاحب کو۔''

''ہاں کرنی تو چاہئیے''

وہ مسکرایا۔۔۔۔''لیکن کیا فائدہ؟ بڑے بڑے عالی شان قالین بودے ہو جاتے ہیں یہ تو پھر لکڑی ہے دیمک نہ لگے گی تو ویسے اس کی بنچ لائف ختم ہو جائے گی''

''آدمی اپنی احتیاط سے تھوڑی دیر کے لیے اس کے آگے بند ھ باندھ سکتا ہے سارے Biocess کو ختم نہیں کر سکتا''

''اچھا۔''

وہ کھڑا رہا چپ چاپ۔

''میں ہاسٹل چھوڑ رہا ہوں۔''

''کیوں؟''

وہ تھوڑی دیر تک سر کھجلاتا رہا۔۔۔۔پھر بولا۔۔۔''یار میرے خیال تھا کہ میں پڑھ لکھ کر کوئی Job کروں گا۔ایک بڑا افسر بنوں گا۔لیکن اب مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ سب کچھ یہ Put on میرے لہو میں نہیں ہے۔میرے باپ دادا قالین بیچتے آئے ہیں کشمیری چائے پیتے رہے ہیں۔۔۔کلچے کھاتے رہے ہیں۔میں پتلون کوٹ اور ٹائی پہن کر بہت اوپرا لگوں گا۔اپنے آپ کو ٹکٹکی پر لگا لوں گا گورے صاحب کی طرح۔۔۔۔''

''کیا پڑھائی بھی چھوڑ دینے کا ارادہ ہے۔''

''ہاں کچھ ہی۔''

''کیوں؟''

''بھئی کچھ فرق نہیں پڑتا ہماری ٹریڈ میں۔''

میں چپ ہو گیا۔ اس کے چلے جانے سے تھوڑی سی امید بندھتی تھی۔ میں دل ہی دل میں خوش تھا۔

''عجیب بات ہے کچھ لوگوں کو محبت پائیدار کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے خاص کر لڑکیوں کو۔۔۔۔'' اس نے سر کھجلا کر کہا۔

وہ شاید سیمی کا نام لینا چاہتا تھا۔

''ایسے لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ جوان رہیں گے۔ ہمیشہ محبت کر سکیں گے۔۔۔ ان لڑکیوں کے دماغ میں اس قدر بھوسہ کیوں بھرا ہوتا ہے۔''

''تو کیا آدمی کسی سے ہمیشہ محبت نہیں کر سکتا۔''

''کر سکتا ہے کر سکتا ہے لیکن ہر آدمی نہیں۔۔۔۔ ہم آج کل کی Generation تو بالکل بالکل نہیں۔ ہمیشی کی محبت بڑا مشکل کام ہے۔''

''تھوڑا وقت تو رہ گیا ہے اگر امتحان دے دیتے تو کوئی خاص ہرج بھی نہ تھا۔''

''لندن والی برانچ کا مینجر استعفا دے گیا ہے ابا جی آفر دے رہے ہیں اگر میں سوچتا رہا تو پھر یہ جگہ پر ہو جائے گی۔''

اس وقت میرا خیال تھا کہ وہ سیمی کو ساتھ لے جائے گا۔ جس روز کلاس میں یہ افواہ پھیلی کہ آفتاب نے نہ صرف کالج چھوڑ دیا ہے بلکہ وہ اپنی کزن سے شادی بھی کر رہا ہے تو مجھے بڑا تعجب اور سکون ہوا۔

''تم کیا سوچ رہے ہو قیوم۔''

''کچھ نہیں۔۔۔ کالج کی پرانی باتیں۔''

پھر اس نے میرا ہاتھ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔ دبلے پن کی وجہ سے اس کی ہاتھوں پر کتنی ہی نسیں ابھری ہوئی تھیں اور تیسری انگلی میں فیروزے کی انگوٹھی آگے پیچھے ڈھلک رہی تھی۔

''اگر تم بھی نہ ہوتے قیوم۔۔۔ذرا سوچو تم بھی نہ ہوتے تو اس رات میں اس درخت تلے مر جاتی Joke نہیں خدا قسم مر جاتی۔۔۔۔پھر دوسری صبح میرے ممی ڈیڈی میری لاش شناخت کرنے تھانے آتے۔''

''سیمی تم اپنے والدین کے پاس واپس کیوں نہیں چلی جاتیں۔''

''گلبرگ تھری میں۔۔۔۔امریکی ہسپتال کی پشت پر۔''

''ہاں وہیں۔''

''جیسے اس وقت میں اٹھا چاہتی ہوں لیکن اٹھ نہیں سکتی۔۔۔۔اس طرح میں وہاں جانا چاہتی ہوں لیکن جا نہیں سکتی۔''

''لیکن کیوں آخر کیوں؟''

وہ زار زار رونے لگی۔اس کے رونے میں ایک ایسے چشمے کی آواز تھی جو پتھریلی جگہ سے سر پھوڑ کر گزر رہا ہو۔

''آؤ آفتاب کی باتیں کریں''میں نے اسے دلاسہ دے کر کہا۔

یکدم وہ مکمل دلچسپی بن گئی۔

''وہ تمہارا دوست تھا ناں بتاؤ ناں؟ بتاؤ تمہیں اس سے محبت تھی؟ ضرور ہو گی۔ میں نے سنا ہے ہوسٹل میں لڑکے Homo sexual ہوتے ہیں۔سچ سچ بتانا۔کیا تمہارا اس کا جسمانی تعلق تھا۔''

میں دنگ رہ گیا۔۔۔۔بھنڈی کے زرد پھولوں جیسی رنگت پر اس وقت ہلکی ہلکی سرخی چھا رہی تھی۔۔۔۔میں سوچنے لگا شاید مجھ سے جسمانی تعلقات استوار کرنے کی بھی یہی وجہ نی ہو کہ اسے اپنے جسم کی پرا نہیں بلکہ شاید میرے توسط سے اب بھی وہ آفتاب تک پہنچنا چاہتی ہو۔

میں چپ ہو گیا۔۔۔۔وہ بہت خطرناک پانیوں میں بغیر لائف سیونگ بلٹ کے تیر رہی تھی۔

''اچھا نہ سہی۔۔۔۔تم مجھے اپنے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتے میں نے تو تم سے کچھ نہیں چھپایا قیوم۔۔۔۔اندر سے اندر کی باتیں بھی تمہیں بتا دی ہیں نہ بتانے والی بھی۔۔۔۔۔''

اس وقت میں نے سیمی کو جو کچھ بتایا وہ میری آپ بیتی تھی لیکن میں نے اپنی کہانی لمحہ بہ لمحہ جذبہ در جذبہ اور واقعہ در واقعہ آفتاب سے منسوب کر کے اسے سنائی۔آفتاب کا نام میں نے اس لیے لیا۔کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میری کوئی بات وہ غور سے نہیں سنے گی اس کا کٹ آؤٹ کام آئے گا اور بجلی کا کرنٹ اس کے دل تک نہ پہنچ سکے گا۔

میں نے بتایا ذرہ ذرہ احوال۔۔۔۔جب پہلی بار وہ کلاس میں آئی تھی۔اس نے کس سے پہلے بات کی تھی اور وہ کب رخصت ہوگئی۔میں نے اسے وہ سارے خط سنائے جو میں لکھتا رہا لیکن پوسٹ نہ کر سکا۔میں نے وہ تمام واقعات بیان کیے جب میں نے اس کا تعاقب کیا اور اسے مل نہ سکا۔اپنی ڈائری کے صفحات بیان کرنے میں آسمان کا رنگ پرانی چاندی جیسا ہو گیا اور مجھے شبہ ہوا کہ دن چڑھنے والا ہے۔

''لیکن یہ ساری باتیں تو مجھے آفتاب نے کبھی نہیں بتائیں۔''

''وہ جذبات کے اظہار میں گونگا آدمی تھا۔۔۔۔ایسے آدمی کچھ نہیں بتایا کرتے۔''

''لیکن۔۔۔۔ہم دونوں تو گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔۔۔۔تمہیں بھی تو اس نے سب کچھ بتایا۔۔۔۔اتنی ساری محرومیوں کی مجھ سے تو کبھی اس نے شکایت نہیں کی۔مجھے تو معلوم نہیں کہ وہ مجھے خط لکھتا تھا بغیر پوسٹ کیے۔''

میں اندر ہی اندر ہنسا اور بولا۔۔۔۔میرا تو دوست تھا سیمی۔۔۔۔دوست۔۔۔۔ہومو۔۔۔۔۔

''آہ ان باتوں کا فائدہ۔۔۔۔اور ان سے حاصل۔۔۔۔۔؟ شاپنگ گم

ہو جائے تو رسیدوں سے فائدہ؟''

میں نے بازو پھیلا کر اسے اپنے وجود کے ساتھ لپٹا لیا۔ راجہ گدھ کو ایسے لمحوں کا بہت انتظار رہتا ہے جب کوئی شخص دنیا کو بے فائدہ سمجھ کر اس سے منہ موڑنے کی کوشش کرے، اس نے اپنے اعضاء ڈھیلے چھوڑ دیے جیسے طوفان کے بعد ٹوٹی ہوئی کشتی اپنے تختے ساکت پانیوں پر چھوڑ دیتی ہے اس گلدستے میں میرے لیے ان گنت کانٹے تھے۔ لیکن ان کانٹوں کے باوجود میں اسے سینے سے لگانے پر مجبور تھا۔

''سیمی۔۔۔۔۔ محبت کی فریم میں کبھی کبھی تصویر بدلنا پڑتی ہے۔''

اس نے آنکھ کی جھری سے دیکھا وہ اس وقر میرے ساتھ نہیں تھی۔ اندر دھنسی ہوئی آنکھوں میں فیروزی مائل سیاہ آئی شیڈو والے پپوٹوں کے نیچے ان آنکھوں میں آفتاب کی شکل گھوم پھر رہی تھی۔

''جانے دو۔۔۔۔ مجھے جانے دو۔۔۔۔ میں ان تصورات سے ختم ہو جاؤں گی''

''کیسے تصورات سیمی؟۔۔۔۔ کیسے؟''

''وہ دونوں۔۔۔۔ ایک ڈبل بیڈ پر ہیں۔ وہ میرا آفتاب۔۔۔۔۔ میرا اسے چوم رہا ہے زیبا کو۔۔۔۔ تم نہیں سمجھ سکتے قیوم۔۔۔۔ یہ تصورات مجھے ختم کر دیں گے۔ پتہ نہیں سارا سارا دن مجھے کیا کچھ نظر آتا رہتا ہے۔''

میں نے خفگی سے کہا۔۔۔۔ ''ہم بھی تو ایک دوسرے کو چوم رہے ہیں سیمی۔''

اس نے ندامت سے سر جھکا لیا اور لجاجت سے بولی۔۔۔۔۔ ''یہ اور بات ہے قیوم۔۔۔۔ اسے اپنی زیبا سے محبت ہو گئی ہے۔۔۔۔ وہ بے وفا ہے۔۔۔۔۔ بے وفا۔۔۔۔ اتنی جلدی میرے بعد اسے محبت ہو گئی۔۔۔۔ وہ زیبا کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دے گا۔۔۔۔ ہمیں کوئی محبت تھوڑی ہے؟۔۔۔۔ ہیں قیوم۔۔۔۔؟''

میں چپ رہا۔

جہاں تک سیمی کا تعلق تھا وہ مجھے چومتی ضرور تھی لیکن اسے مجھ سے محبت نہ تھی، کم از کم یہاں تک وہ سچی تھی۔

سیمی باوفا کیونکہ وہ صرف احساس تشکر میں آکر قیوم کے وجود کو برداشت کرتی تھی۔۔۔۔اور میں۔۔۔۔میں ان دونوں کے درمیان کیا تھا؟۔۔۔۔۔میں اپنے آپ کو کس طبقے کس کلاس کس گریڈ میں رکھتا؟۔۔۔۔شاید کرگس جاری کے لوگوں کی کوئی Catagory نہیں ہوتی وہ تو محض لائین ہوتے ہیں نہ دائرہ نہ چوکور نہ مستطیل۔۔۔محض لائین۔۔۔۔جو ان دائروں کی مستطیلوں کی سرحدیں متعین کرتی ہے۔

اس وقت سفید چادر میں ملبوس نوفٹ کا ایک آدمی مشعل لیے سامنے ایک جھاڑی سے نکلا اس کے سر پر کوئی بال نہ تھے اور وہ دائرے میں چلتا تھا اس نے تین مرتبہ اپنی مشعل اونچی کی اور پھر واپس جھاڑی میں گھس گیا۔۔۔اس وقت پتہ نہیں کیوں میرے اندر ایک گہرا گیان پیدا ہوا۔ جیسے استخارہ کر لینے کے بعد گومگوں کی حالت ختم ہو جاتی ہے میرے اندر آفتاب نے گھس کر دو چار ہاتھ کراٹے کے مارے اور قیوم کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد میرے اندر آفتاب ایسے بھرتا گیا جیسے بوتل میں پانی۔۔۔سر کی آخروٹی ہڈی سے لے کر پیروں کی پیچیدہ ہڈیوں تک آفتاب بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اس آفتاب کے آنے جانے کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔۔۔جس وقت وہ چاہتا چلا جاتا اور قیوم سٹنڈ ٹو ہو جاتا۔ جس وقت وہ آتا قیوم خود ہی ڈرائیور کی سیٹ چھوڑ کر پچھلی نشست پر جا بیٹھتا۔

اس رات کے بعد مشعل والے جن کو کھلی آنکھوں دیکھا اور آفتاب اور قیوم کی ادلی بدلی سے لطف اٹھانا میرا محبوب مشغلہ بن گیا۔۔۔اس وقت کو سیمی جانتی تھی۔

۔۔۔پہلے میں نے قیوم بن کر اس کے دل میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔۔۔لیکن وہ یلغار بے سود تھی۔ اب میں نے آفتاب بن کر بھیس بدل کر اس پر شبخون مارا

اوراس کی ایک ایک بوٹی اتار لی۔۔۔۔میں نے اس کی اداسیوں کو چوم چوم کر اس کے وجود سے اکھیڑنا چاہا۔لیکن جو بیمار عشق ہوتے ہیں ان پت اس انٹی بائیوٹک کا اثر نہیں ہوتا۔۔۔۔ان کی اداسی کوئی پوشیدہ پینٹ نہیں جسے کھرچ کر نئے پینٹ کی تہہ جمادی جائے۔۔۔جوں جوں میں اسے چومتا۔وہ ہر ہر اداسی کے ساتھ اپنے وجود کی ایک ایک اینٹ بھی اتار پھینکتی جاتی حتیٰ کہ صبح کے قریب وہ صرف ملبہ رہ جاتا۔ پرانی اینٹوں کا تتر بتر ملبہ۔

عموماً محبت میں ناکامی کے بعد لوگ اپنی ہی نفی اور اپنی ذات کی تذلیل میں مصروف ہوجاتے ہیں۔۔۔۔جب بند سیپی سے برآمد ہونے والے آبدار موتی کو اصل خریدار نہیں ملتا۔۔۔تو پھر موتی اپنا آپ ریت کے حوالے کر دیتا ہے یہاں لہروں کے ساتھ رلنے کے علاوہ اس کی اور کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ناکام عاشقوں کو جسم پر جملہ حقوق محفوظ لکھوانے کی حاجت نہیں رہتی۔۔۔وہ ہر کس ناکس کے ہو کر کسی کے نہیں رہتے۔۔۔۔رفتہ رفتہ اپنے جسم کی تذلیل میں انہیں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔۔۔زندگی کا ہر وہ رنگ جو انہیں اپنے آپ پر ہنسنے کا موقع دے انہیں دل سے مرغوب ہوجاتا ہے۔شراب عورت جواء کئی ذلتوں کی پریس سے مرد نکلتا ہے۔

محبت میں ناکام ہو کر عموماً عورت کے دل سے جسم کی حرمت عصمت اور عزت کو تصور جاتا رہتا ہے۔

کئی بار سیمی جیسی ماڈرن لڑکی کو علم بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اوپر لعنت بھیج رہی ہے۔

لیکن آہستہ آہستہ دھنستی وہ بھی چلی ہی جاتی ہے۔

سیمی کو بھی معلوم نہ ہوسکا۔۔۔۔کہ وہ میری دشتہ بن گئی ہے۔

اور میں بھی پوری طرح سمجھ نہ سکا کہ میں ہی اس کے کفن کا اخری کیل ہوں۔

میں کوٹھے کے فرش پر دری بچھائے پڑا تھا کہ بھائی کے دونوں لڑکے اوپر آئے ان کی نیکریں اور قمیضیں ایک سی تھیں۔ شاید تو ام بھائی تھے۔ کیونکہ ان کی شکلیں عادتیں، کپڑے بول چال سب ایک طرح کا تھا۔ وہ تخت پوش سے ایک ہی سٹائل میں چھلانگ لگاتے تھے

''آپ کو اماں بلا رہی ہیں۔''

پتہ نہیں کیوں بھابھی صولت۔۔۔۔ بہت کم کوٹھے پر آتی تھیں؟

''کیا کام ہے۔''

''پتہ نہیں۔۔۔'' بڑے بھائی نے کہا۔

''پتہ نہیں۔۔۔۔'' چھوٹے بھائی نے نقل کی۔

''ادھر آؤ مسعود۔۔۔'' میں نے محبت سے کہا۔

''ہم جا رہے ہیں۔۔۔۔'' مسعود بولا۔

''ہم جا رہے ہیں۔۔۔۔'' فرید نے بھی کہا۔

وہ دونوں باغ والے نوگزے کی طرح زن سے غائب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سفید طباق چہرے پہ چھائیوں کی تتلیاں سجائے بھابھی صولت آئیں۔ یہ عورت اس قدر سنجیدہ نہ ہوتی تو مزے دار ہو سکتی تھی۔

''قیوم۔''

''میں آ رہا تھا جی۔۔۔۔ وہ ذرا۔۔۔۔''

''کوئی بات نہیں۔''

''بیٹھے بھابھی۔''

بھابھی صولت کھڑی رہیں

''تم جانتے ہو۔ ابا جی کی زمینوں سے اب کچھ نہیں ملتا۔۔۔ مختار صاحب مجھے یہ

اخبار دے گئے ہیں اس میں جو نوکری ہے اس کے لیے عرضی دے دو آج ہی۔"

"آپ۔۔۔آپ چاہتی ہیں۔۔۔۔میں یہاں سے چلا جاؤں۔۔۔۔" میں نے سوال کیا۔

"ہے نا پاگل۔۔۔۔ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اب تم بے کار نہ رہو، نوکری کر لو۔۔۔۔"

میرے سامنے اخبار رکھ کر بھابھی صولت چپ چاپ نیچے چلی گئی۔

اخبار میں ریڈیو سٹیشن کی طرف سے پروڈیوسر کی آسامی کا اعلان چھپا تھا۔۔۔۔ اس نوکری کے لیے میری تعلیمی سند کافی تھی لیکن پتہ نہیں یہ دن اور راتیں کیسے گزر رہی تھیں۔میں کہیں پارٹ ٹائم نوکری تو کرنا چاہتا تھا۔لیکن کسی مستقل نوکری کے لیے ابھی ذہنی طور پر تیار نہ تھا۔

رات گئے تک میں کوٹھے کے بیرونی صحن میں ٹہلتا رہتا۔۔۔چاند رات میں گھر کی چھت سے لگ کر جب چاند مجھے دیکھتا تو طنز کرتے میں میرا سایہ گدھ کی طرح نظر آتا۔میری انگلیاں ہونٹ دانت سب مسلسل سگریٹ نوشی کے باعث براؤن ہو چکے تھے۔میں نے ان لمبی راتوں میں یسی سے لے کر Abiogeneus یک ہر مسئلے پر دماغ کو کھپایا تھا ان سوچوں کی وجہ سے میرے وجود کی حالت بھوے سے بھرے ہوئے مراد چیتے جیسی ہو جاتی۔۔۔جسے دیکھ کر بچے ڈرتے ہیں اور جو بالکل بے ضرر ہوا کرتا ہے۔

بھائی مختار اور ان کا گھرانہ بڑے سکھی لوگ تھے۔

بھائی مختار اپنے گھر بیوی اور بچوں سے پیار کرتے تھے۔انہیں اپنی ساری ملکیت سے پیار تھا۔متوسط عقل، متوسط اخلاقی قدریں دیموکریسی کی پرستش اور سرمائے دار نظام کی برکتوں کے سہارے ان کا گزارہ چلتا تھا۔۔۔۔بھائی مختار کی ساری منزلین مادی تھیں۔۔۔۔وہ سانڈھے سے گلبرگ تک پہنچنا چاہتے تھے۔۔۔ان کے

سامنے بچوں کی اعلےٰ تعلیم کا گوں تھا موٹر سائیکل سے جاپانی کار تک کا سفر، بیوی کے کپڑے زیورات کی فکر، سوسائیٹی میں اچھی پوزیشن اور ساکھ کے لے کوشش اپنی نوکری میں سالانہ رپورٹ کی عمدگی اور سال بہ سال ترقی کے امکانات کے لیے جدوجہد ۔۔۔۔۔ نچلی منزل میں کبھی چاند نے شکل نہ دکھائی تھی ۔۔۔۔ وہاں دن چڑھتے ہی چیونٹیوں کا سفر شروع ہو جاتا۔ مختار بھائی تفریح کے وقت ٹرانسسٹر نستے۔ جس طرح کاسٹیم جیولری سے عورت میں کچھ ٹین پن کچھ سنتھیٹل فائبر شامل ہو جاتا ہے اسی طرح زیادہ ریڈیو سننے والوں کے نکتہ نظر بڑے عقلی، مادی، جمہوریت پسند ہو جاتے ہیں وہ ریڈیو پر ہونے والے مباحثوں سے ضمنی مسائل چن کر باتیں کرتے ہیں ۔۔۔ ان کی زندگیوں سے چاند کا سفر ختم ہو جاتا ہے صرف چیونٹیوں کی منزلیں باقی رہ جاتی ہیں۔

میرا خیال تھا کہ مجھے زیادہ دیر تک نوکری کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ اندر ہی اندر مجھے شبہ تھا کہ جس طرح میں رات رات بھر تصور جاناں کیے ہوئے بیٹھا رہتا ہوں۔ یہ کیفیت مجھے زیادہ دن زندہ رہنے کی مہلت نہیں دے گی۔ پکی نوکری، ترقی، پھر اس نوکری کی دیکھ ریکھ یہ سب کچھ میرے حالیہ پروگرام کی مکمل نفی تھا۔ اس کے باوجود بھائی مختار کو خوش کرنے کے لیے میں نے ریڈیو سٹیشن کی نوکری کے لیے درخواست بھیج دی۔

سیمی کچھ دنوں کے لیے لاہور آئی تھی لیکن جلد ہی اس نے پنڈی استعفیٰ بھجوا دیا اور وائی ڈبلیو سی اے میں اپنا کمرہ لے کر رہنے لگی جب بھی میں اس سے پوچھتا کہ اب اس کا کیا ارادہ ہے؟ تو وہ بیزار ہو کر جواب دیتی ۔۔۔۔ ”کوئی ارادہ نہیں ۔۔۔ “

”پھر بھی ۔۔۔۔ کوئی نوکری کوئی ۔۔۔۔ اور پروگرام۔“

وہ چپ رہتی جیسے اندر ہی اندر اس نے کوئی پروگرام بنا رکھا تھا لیکن وہ اسے مجھے بتانا نہ چاہتی تھی۔

ایک روز میں نے بہت عملی بن کر کہا۔۔۔۔" آج کے اخبار میں ایئر ہوسٹس کا Job نکلا ہے تم اس کے لیے اپلائی کیوں نہیں کر دیتیں؟"

وہ مسکرائی پھر تھوڑی دیر بعد بولی۔۔۔۔"اچھا Idea ہے۔"

"سچ سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں تمہارا فگر بھی اچھا ہے انگریزی خوب بولتی ہو تمہیں بہت جلد Select کر لیا جائے گا۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کہتی گئی۔۔۔۔"پھر میں فارن فلائیٹ پر لگ جاؤں گی۔۔۔کراچی بیروت لندن۔۔۔۔لندن فرانکفرٹ تہران کراچی۔"

پھر کسی روز آفتاب میرے طیارے میں چڑھے گا اپنے چھوٹے سے بیٹے کی انگلی پکڑ کر۔۔۔۔اسکی زیبا کے ہاتھ میں وینٹی بکس ہوگا۔۔۔۔وہ دونوں ساتھ ساتھ سیٹوں پر بیٹھیں گے اور میں ان کے سامنے ناشتے کی ٹرے لگاؤں گا۔۔۔۔کافی کی پیالی بنا کر دوں گی۔آفتاب مجھ سے کہے گا ذرا اس ہفتے کا ٹائم تو پکڑا دیجے۔۔۔۔ میں جب اسے ٹائم پکڑانے کے لیے بڑھاؤں گی تو اس کی بیوی پہلے رسالہ مجھ سے پکڑے گی اور کہے گی دیکھئے ہمارے نومی کو ذرا باتھ روم لے جائیے۔

"چپ کرو یہ بکواس۔"

"اور جب میں نومی کو باتھ روم میں لے جاؤں گی تو وہ مجھے کہے گا آپ مجھے چوم کیوں رہی ہیں مس۔"

"تم اپنے آپ کو اذیت دینے کے لیے کیا کچھ سوچتی رہتی ہو۔"

وہ بولتی چلی گئی۔۔۔۔"اور جب میں نومی کی نیکر کے بٹن بند کر کے اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ کولون سے بھیگے ہوئے ٹیشو سے پونچھوں گی تو وہ پوچھے گا مس آپ رو کیوں رہی ہیں۔۔۔بتائیں ناں کسی نے کچھ کہا ہے؟"

''خدا کے لیے یہ۔۔۔۔۔باتیں چھوڑ دو''

''ٹھیک ہے۔۔۔۔ٹھیک ہے مجھے ائیر پوسٹس لگنا چاہیئے یہی میری سزا ہے یہی یہی یہی۔''

میں اپنے مشورے پر عجیب طرح سے شرمندہ ہو گیا

دراصل آفتاب سے بچھڑ کے سیمی کشش ثقل سے آزاد ہو گئی تھی۔۔۔۔۔لیکن کشش ثقل سے آزاد ہونے اور آزاد رہنے کے بعد جو بے سمتی پیدا ہوتی ہے اس سلسلے میں اسے کوئی ٹریننگ نہ دی گئی تھی فلا بازوں کو فضائی سفر میں جہاں اور بہت سی تربیت دی جاتی ہے وہاں دو طرح کی ٹریننگ کا خاص خیال رکھا جاتا ہے جب وہ فضا سے نکل کر خلاء میں جاتے ہیں اس وقت جسم کا اندرونی پریشر تو رہتا ہے لیکن اس کا کاؤنٹر بیلنس کرنے کے لیے بیرونی دباؤ نہیں رہتا ایسے میں تمام شریانوں کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اندر اور باہر کے پریشر برابر رکھنے کے لیے خاص قسم کے Space Suit بنائے جاتے ہیں اور ان کے استعمال کا طریقہ سکھایا جایا ہے دوسرا مسئلہ کشش ثقل سے آزاد ہو کر بے سمت وقت گزارنے کی ٹریننگ ہوتی ہے اس کی ٹریننگ کے لیے خلاء بازوں کو ایک Cap sule میں بند کر کے چھوٹی چھوٹی ڈھبریاں کنے روٹی کھانے خلائی جہاز میں آنے جانے کی ٹریننگ دی جاتی ہے

سیمی کے اندر پریشر بہت بڑھا ہوا تھا

سیمی کشش ثقل سے آزاد ہو چکی تھی۔

لیکن بے سمت زندگی گزارنے کی ابھی تک اسے کوئی ٹریننگ نہیں ملی تھی۔

وہ گویا ان دنوں مورفیا تلے سانس لے رہی تھی۔جہاں بیٹھ جاتی پہروں بیٹھی رہتی کہیں جب اس کی نظر جم جاتی تو پھر چینی گڑیا کی طرح اسی طرف دیکھے جاتی ایسے میں آفتاب کے نام کے علاوہ اور کوئی ٹیکہ کارگر نہ ہوتا۔اس خلائی دور سے کئی کیفیتیں وابستہ ہوتیں۔خود ترسی، بیزاری، تنہائی پسندی، مردم گزیدہ محرومی۔۔۔

غرضیکہ آفتاب کی کشش باقی نہ رہی تو کئی سمتیں پیدا ہوئیں۔لیکن ہر سمت کے آگے ہمیشہ خلا ہوتا۔خاموشی ہوتی۔۔۔اندر کا پریشر بڑھتا چلا جاتا۔

ہم دونوں گھنٹوں پہروں، دنوں آفتاب کی باتیں کرتے رہتے اس کا ہاتھ میرے ہاتھوں میں رہتا۔میں تسلی آمیز محبت کے ساتھ اسے چومتا رہتا۔وہ کبھی مدافعت نہ کرتی۔بلکہ کبھی کبھی شکر گزاری کے ساتھ مجھے دیکھ لیتی۔لیکن جونہی آفتاب کی باتیں ختم ہو جاتیں وہ یکدم اندر کی لفٹ بند کر کے کہیں اوپر چلی جاتی۔

ان دنوں وہ خود ترسی سے حسد کی طرف مائل تھی۔میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں کہ سیمی کے ساتھ جو بھی وقت گزرا وہ ایک طرح سے بہت عجیب تھا بیرونی وقت کے مطابق کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوئے۔لیکن اندر جو ایک ریگستانی کا سفر جاری تھا۔اس میں ہم پڑاؤ پڑاؤ ٹھہرتے پتہ نہیں کہاں آ نکلے تھے۔شاید یہ جگہ پاکستان تھی ہی نہیں۔بلکہ شمالی امریکہ کے جنوب میں کہیں رایو گرینڈ کے اردگرد کا پڑاؤ تھا جہاں پر ریڈ انڈین کے شامین قبیلہ کی روحیں اپنے اکتارے پر دریا کی روح کو بلا رہی تھیں۔۔۔سیمی باہر نکل بے حس تھی لیکن جذباتی سیڑھیوں پر اس کا سفر بہت تھکا دینے والا تھا۔اسی سفر میں اس کا ساتھ دینے کی وجہ سے میرا بدن چور چور رہتا۔وہ اپنی محبت میں کئی ریگستان چھان چکی تھی۔

اب وہ حسد کی تپتی ہوئی سفید ریت پر بھاگ رہی تھی۔آفتاب سوا نیزے پر تھا پیاس سے اس کے ہونٹ خشک تھے۔فاصلے سے جسپسم کے تودے جمی ہوئی برف کی طرح نظر آتے۔لیکن قریب پہنچنے پر سب کچھ سفید ریت ڈھل جاتا تھا۔

ہر طرف جلا دینے والی پھونک دینے والی راکھ کر دینے والی حسد کی سفید ریت پھیلی تھی اور اس ریت پر سیمی سسی کی طرح ننگے پیر ننگے سر بھاگ رہی تھی بے سمت

ان دنوں سیمی مجھ سے ملتے ہوئے کتراتی تھی۔۔۔۔وہ کسی فیصلے پر خ ﷺ دہی پہنچنے کی کوشش میں مبتلا تھی۔